پر بھی ظلم واقع نہ ہو۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○﴾ [البقرة ۲۷۸-۲۷۹] ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان والے ہوں۔ اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، ہاں اگر تم توبہ کر لیں تو تمہیں تمہارا اصل زر ملے گا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو گے، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سودی لین دین اور کاروبار کئی سنگین مفاسد کی بنیاد پر اسلامی معیشت میں حرام اور ممنوع ہے۔ جس کا مغربی معیشت دانوں نے بھی اپنے تجربات کی بنا پر اعتراف کرلیا ہے۔ اور اس کے معاشی نقصانات اور اخلاقی مفاسد سے پورا معاشرہ جس طرح متأثر ہو رہا ہے، اور دنیا میں بے روزگاری کی شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس سے کوئی بھی ذی علم و ہوش آدمی انکار کی جسارت نہیں کرسکتا۔ لہٰذا انفرادی، اجتماعی اور سرکاری' غرض ہر سطح پر اس حرام اور سنگین نتائج کے حامل کام سے بچنے اور اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔

اگر ایسا ہوگا تو نہ صرف اللہ کی رضامندی حاصل ہوگی؛ بلکہ دنیا میں سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا، روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے اور ہماری معیشت ترقی کی راہ پر گامزن ہوگی۔ اور ہم معاشی طور پر مضبوط و مستحکم ہوں گے۔ اسی معاشی استحکام کی بنیاد پر ہمارے دشمن ممالک ہمیں غلام نہیں بناسکیں گے۔ الغرض سود سے اجتناب معاشی کے علاوہ سیاسی اور بین الاقوامی مسائل کے حل میں بھی پائیدار کردار ادا کرے گا۔ ان شاء اللہ

یہی حقیقت حضرت امام مالکؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''**لن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها**'' ''اس امت کے آخری دور کے مسائل کا حل صرف ان ہی طریقوں سے ہوسکتا ہے، جن طریقوں سے اس کے پہلے دور کے مسائل حل ہوئے تھے۔''

فضیلۃ الشیخ صالح الحصین رحمہ اللہ

شخصیت ، خدمات ، نمونہ

عبدالرحیم روزی

اس دنیا میں کم ہی شخصیات ایسی ہوتی ہیں، جن کی زندگی میں ہی لوگ ان کی قدر ومنزلت کو تسلیم کرتے ، ان کی حیات کو قیمتی جانتے اور ان کی موت کے تصور سے لرزہ براندام ہو کر لمبی عمر کی دعائیں کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی زندگی ایک فرد کی نہیں ، ایک گھرانے ، ایک علاقے کی نہیں ؛ ایک تحریک ، بلکہ اپنے ملک سے ہٹ کر کروڑوں افراد اور ہزاروں اداروں وتنظیموں کی زندگی ہوتی ہے۔ انہی میں سے ایک معالی الشیخ صالح الحصین (سعودی عرب) بھی ہیں۔

جناب موصوف 1992ء اور 2001ء میں جامعہ دارالعلوم بلتستان تشریف لائے۔ آپ کے حوالے سے جو دیکھا ، سنا اور جو آپ نے کیا۔ ان ذرائع سے جناب مرحوم کے حوالے سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

ا۔ آپ کی شدید خواہش وحرص کہ بلتستان جیسے پسماندہ علاقہ میں مسلمانوں کا تعلیمی اور ثقافتی معیار بلند ہوجائے: اس اعلیٰ مقصد کے لیے آپ نے "برنامج المساعدة التعليمية" یعنی "امداد برائے تعلیمی پروگرام" کے نام سے جامعہ دارالعلوم بلتستان کے فاضل طلباء کو میٹرک اور آگے تعلیم حاصل کرنے کے وسائل فراہم کیے۔ نیز انٹرمیڈیٹ اور آگے تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے فری ہاسٹل اور میس کا بار اٹھایا۔ مدیر مرکز اسلامی ڈاکٹر محمد علی جوہر کو مدینہ منورہ وریاض بلاکر اس پروگرام کے بارے میں رپورٹ طلب کرتے ، استفسار کرتے اور مفید تجاویز دیتے رہے۔

عام طور پر علم دین سے نالاں لوگ یہ تأثر پھیلاتے تھے کہ مدارس اسلامیہ سے تعلیم میں فراغت پانے والے فاضلین بے روزگار ہوجاتے ہیں۔ برنامج مساعدۃ تعلیمیہ نے اس غلط تأثر کو ختم کرنے اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے لیے عصری علوم کے حصول کا انتظام کیا۔ اب اس قسم کے طلباء الحمد للہ اسلامی ودینی مضامین پڑھے ہونے کی وجہ سے میٹرک اور اس کے بعد امتحانوں میں اچھے نمبروں میں کامیاب ہونے لگے ؛ بلکہ کئی طلباء نے بورڈ بھی ٹاپ کیا۔

۲۔ امت اسلامیہ کے بنیادی مسائل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت کا احساس:

جناب موصوف عالم اسلام کے اتفاق واتحاد ، وحدت امت ، اور شیرازہ بندی کے شدید خواہاں تھے۔ اور فروعی وثانوی قسم کے مسائل کو بنیاد بنا کر آپس میں اختلاف پیدا کرنے اور جدا جدا رہنے پر کڑھتے رہتے تھے۔ آپ سمجھتے تھے کہ دین میں

مضبوطی کا یہ مطلب نہیں کہ اختلاف کی گنجائش والے مسائل کو فرض کی حیثیت دے کر ڈٹ جائیں اور ایک دوسرے مذاہب پر کیچڑ اچھالا جائے۔ بلکہ بعض اختلافی سنتوں اور مستحب امور کے مقابلے میں وحدت صف کو مقدم اور راجح رکھا جائے۔

29 اگست 2001ء کو جامعہ دار العلوم کی جامع مسجد منجر میں اساتذہ وطلباء سے خطاب میں اس امر پر خوب زور دیا کہ علمائے کرام مسلمانوں کے مابین شیرازہ بندی پر کام کریں اور اختلافات کو ختم کریں۔ ان کے پیش نظر صرف چند فروعی مسائل نہیں ہونے چاہئیں، جن میں فقہائے اسلام کے مابین مختلف نقطہ نظر ہیں۔ ان مسائل میں مخالف پر سارا زور صرف کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ بلاشک امت کی وحدت کے لیے ان باتوں سے جہاں آپ کی مساعی اور سنجیدگی عیاں ہوتی ہے، وہاں پر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا علمی افق بیکراں تھا اور باریک سے باریک تر مسائل پر ادراک تھا۔

۳۔ کامیاب داعی کے اوصاف بطریق اتم موجود تھے: ہمارے شیخ ؒ ایک کامیاب داعی ومربی کے اوصاف کاملہ کے حامل تھے۔ اسی لیے آپ تمام مکاتب فکر کے نزدیک ہردلعزیز تھے۔ آپ نے علماء پر زور دیا کہ عالم دین، مفتی اور داعی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں وارد علماء کے اوصاف کو اپنی پبلک اور پرائیویٹ لائف میں اختیار کریں۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ کوئی بھی داعی کسی پر فیصلہ صادر کرے' تو ان دونوں امور کا خیال رکھے: (۱) وہ جو حکم لگا رہا ہے اس محکوم کے بارے میں پورا پورا علم ہو۔ یعنی جلد بازی نہ کرے۔ (۲) فیصلہ نفس پرستی اور ذاتی خواہشات کی بنیاد پر نہ ہو۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفس پرستوں پر سخت شناعت کی ہے: ﴿**إن يتبعون إلا الظن وما تهوى الأنفس**﴾ [النجم :۲۳] حضرت داؤد علیہ السلام پر عتاب نازل کیا: ﴿**يا داؤد إنا جعلناك خليفة في الأرض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى**﴾ [ص ۲٦] آپ علیہ السلام سے مدعیٰ علیہ پر حکم لگانے میں قدرے جلد بازی سرزد ہوئی تھی، جب مدعی نے ظلم کا رونا رویا تھا: ﴿**لقد ظلمك بسؤال نعجتك إلى نعاجه وإن كثيرا من الخلطاء ليبغي بعضهم على بعض**﴾ [ص ۲٤] دراصل آپ علیہ السلام رحمدلی کی وجہ سے مظلوم کے حق میں جذباتی ہو کر موم ہو گئے تھے۔

۴۔ راہ الٰہی میں تکلیف ومشقت کو بسر وچشم برداشت کرنا: مولانا عبد الواحد نے فرمایا: شیخ مرحوم بڑھاپے میں بھی ہمت جوان رکھتے تھے۔ دوسری بار سفر سے واپسی کے موقع پر ہم نے جہاز کا ٹکٹ خریدنے کی پیشکش کی، تو یہ کہہ کر منع کر دیا کہ اتنی رقم کیوں ضائع کریں اور کم خرچ میں بائی روڈ سفر کیوں اختیار نہ کریں۔ اور اس زائد رقم کو امت کے ایک اہم مصرف میں کیوں نہ صرف کریں۔ آخر مولانا کے ساتھ گاڑی میں سفر کیا۔ راستے میں مدارس کا دورہ کرتے اور ہر جگہ اتحاد